OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
ISSN (Online): 2664-0171
https://mei.aiou.edu.pk

رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں حضرت ابوطالب کا قصیدہ لامیہ کا تحقیقی جائزہ

Poetry of Abu Talib in the favour of Prophet (P.B.U.H.)

مدثر حمید
اسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ اسلامیہ کالج کوپر روڈ، لاہور

Abstract

When we are talking about life of Peace Be Upon him, it is called "Seerah" and besides that it is called "Sham┐ il Nabw┘ yah". In which is described the life of Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) as well as the characteristics of your life and your prayers are also mentioned. According to this, many scholars write books which are famous names like Imam Tirmazi, Qazi Ayaz , Ibn-e-Katheer , Allama Sayooti and Mulla Ali Qari. In addition to many books were written on his Characters in after Islam but before Islam have been told many poetries on his "Seerah" and "Shamayil". In this article described, commented and reviewed the "Shamayil Nabw┘ yah" of Peace Be upon him from Dewan-e- Abi Talib.

سید بطحا، متولی کعبہ، فرزند عبدالمطلب، پدر مرتضٰی، عم مصطفٰی ﷺ حضرت ابوطالب نے عمر بھر جس انداز سے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت و اطاعت، محبت و الفت، حفاظت و نصرت اور جانثاری کا شاندار فریضہ انجام دیا اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ آپ ﷺ کی محبت و مودت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا، فاقے اٹھائے، تین برس سے زائد عرصہ تک شعیب ابی طالب میں محصور رہے اور اس دوران حضرت ابو طالب نے نبی کریم ﷺ کی ایسی حفاظت و نصرت فرمائی جس کی مثال تاریخ میں ملنا محال ہے۔ اسی لیے تو اکثر مفسرین کے نزدیک سورۃ الضحی کی آیت (ألم يجدك يتيماً فآوى) سے مراد رسول اللہ ﷺ کا اپنے چچا حضرت ابوطالب کی آغوش رحمت میں آجانا ہے۔ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ سلیقہ مند ادیب اور بالطبع شاعر تھے۔ آپ کی گفتگو عمدہ، محکم، اور معانی سے بھرپور ہوتی تھی۔ اگرچہ آپ سے ادبی نثر اتنی زیادہ منقول نہیں ہے۔ (۱) لیکن آپ کے اشعار کتب سیرت نبوی ﷺ میں درج ہیں۔ اور اسی طرح بہت سی لغت و ادب اور تاریخ کی قیمتی کتب میں بھی وارد ہوئے ہیں۔ جو کتب ہمارے لیے میراث کا درجہ رکھتی ہیں۔ (۲) حضرت ابوطالب کا یہ معرکۃ الآرا اور ایمان پرور منظوم کلام شیخ محمد حسن آل یاسین کی تحقیق کے ساتھ "دیوان ابی طالب بن عبدالمطلب" کے نام سے مکتبہ ہلال، بیروت، لبنان سے 2003ء میں شائع ہو چکا ہے۔

کفار قریش کے مقابلہ میں ڈٹ جانے والے محافظ رسول ﷺ حضرت ابوطالب نے وقتاً فوقتاً اپنے جذبات و احساسات کو انتہائی اعلی خوبصورت الفاظ اور فصیح و بلیغ تراکیب عطا فرما کر اپنی شاعری کے ذریعے نہ صرف اسلام اور

پیغمبر اسلام کی ابتدائی مستند تاریخ مرتب کی بلکہ عربی زبان وادب پر بھی عظیم احسان فرمایا اور اس طرح یہ دیوان ابوطالب شعر وادب کا عظیم ترین شاہکار اور معرفت خصائص وشمائل نبوت کا اولین شہ پارہ ہے۔ اکثر اشعار کا محور و مرکز دفاع ذات محمد یہ ﷺ اور رسالت محمد یہ ﷺ ہے۔ جن میں آپ دشمنان ذات رسالتمآب ﷺ کے خلاف برسرپیکار نظر آتے ہیں۔ اور حضور ﷺ کی رسالت کا ہر میدان اور ہر خطرہ میں دفاع کرتے ہیں۔ اور آپ نے ہر وہ راستہ اختیار کیا جس سے رسالت محمد یہ ﷺ کا دفاع یقینی ہو۔ چاہے نرمی اختیار کر کے، یا سختی کا معاملہ فرما کر، یہاں تک کہ زجر وتوبیخ اور ڈرانے دھمکانے سے بھی دریغ نہ کیا۔ اور اپنے بھتیجے حضور اکرم ﷺ کی ذات کے لیے ہر خطرہ سے گزر گئے۔

نیز دشمنان رسول ﷺ کے مکر وفریب، کفر وشرک کی ریشہ دوانیوں، قریش اور طاغوتی قوتوں کی چالبازیوں سے رسالتمآب ﷺ کا دفاع کرنے اور نصرت وتائید میں اپنا حق ادا کر دیا۔ گویا کہ آپ کی تنہا ذات اقدس حضور ﷺ کی ان سپاہ میں سے تھی جس نے آپ ﷺ کی حفاظت کے لیے اپنا سب کچھ لٹا دیا۔ اسی طرح حضرت ابو طالب ان اوائل شعراء میں سے ہیں جنہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کا ہر لحظہ ساتھ دیا اور آپ ﷺ کے شانہ بشانہ کھڑے ہونے میں سب سے سبقت لے گئے۔ اور خطرات میں آپ ﷺ کی حفاظت کے لیے سینہ سپر بن کے کھڑے رہے۔ اور نبوی زندگی کے مشکل مراحل اور جانگسل حالات میں اپنا دست شفقت ومحبت اکرم ﷺ پر سایہ فگن رکھا۔ اور اس طرح حضرت ابو طالب عزم واستقلال کی ایسی چٹان ثابت ہوئے جس نے کفار قریش کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا اور ایسا تیر ثابت ہوئے جس نے مشرکین کے دلوں کو چھلنی کر کے رکھ دیا اور ان کے اوچھے ہتھکنڈوں کو ملیا میٹ کر دیا۔ اور حضرت ابو طالب کا یہ نہ تھمنے والا سیل عطا حضور ﷺ کی ذات اقدس پر آپ کی آخری سانس تک موجزن رہا۔ پس ان اعلی صفات سے مزین ہونے کی بنا پر آپ کو بلاشک وشبہ رسالت اور دعوت محمد یہ ﷺ کا اولین شاعر گردانا جاتا ہے۔ اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔

حضرت ابو طالب کا اسم گرامی عبد مناف ہے۔ اور ایک قول کے مطابق "عمران" اور "شیبہ" بھی ہے۔ لیکن آپ اپنی کنیت "ابوطالب" کے نام سے مشہور ہوئے جو ان کے بڑے بیٹے طالب کی طرف منسوب ہے۔ اور آپ "سید بطحا" اور "رئیس مکہ" جیسے القابات سے ملقب تھے۔ امام ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) رقمطراز ہیں: "ابو طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی قرشی ہاشمی رسول اللہ ﷺ کے سگے چچا جان ہیں اور آپ کی والدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ مخزومیہ ہیں۔ اور آپ اپنی کنیت سے مشہور ہیں جبکہ آپ کا اسم گرامی عبد مناف ہے اور یہی مشہور ہے۔ اور ایک قول کے مطابق آپ کا اسم گرامی "عمران" ہے اور حاکم نے کہا ہے کہ اکثر متقدمین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ کا نام آپ کی کنیت یعنی "ابو طالب" ہی ہے۔ (۲)

نبی اکرم ﷺ کے گیارہ چچے تھے اور حضرت ابو طالب کا ان میں پیدائش کے اعتبار سے چھٹا نمبر تھا۔اور آپ نبی کریم ﷺ کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی تھے۔کیونکہ ان دونوں ہستیوں کی ایک ہی والدہ ماجدہ تھیں جن کا نام نامی اسم گرامی حضرت فاطمہ بنت عمرو بن عائذ مخزومیہ تھا۔(۳)

حضرت ابو طالب مکہ میں نبی کریم ﷺ کی پیدائش سے پینتیس سال قبل ۵۳۵ء میں پیدا ہوئے۔آپ صاحب عقل اور اچھے اخلاق کے مالک تھے۔آپ نے اپنے والد گرامی حضرت عبدالمطلب سے اکتساب فیض کیا اور اچھے خصائل وعادات کی بناء پر قوم کے دلوں پر حکمرانی کی۔جب آپ کے والد گرامی حضرت عبدالمطلب نے رحلت فرمائی اس وقت اکرم ﷺ کی عمر مبارک آٹھ سال تھی۔تو آپ ﷺ کی کفالت آپ کے چچا حضرت ابو طالب کے حصہ میں آئی کیونکہ آپ عمر میں اس وقت تمام چچاؤں میں بڑے تھے۔اور حضرت عبدالمطلب کی طرف سے ﷺ کا خیال رکھنے اور ان کے معاملات زندگی میں ان کا ساتھ نبھانے کی وصیت بھی تھی۔پس اس بنا پر آپ ﷺ کے چچا جان نے آپ ﷺ کو اپنے ساتھ ملا کر اپنی اولاد میں شامل فرمالیا۔(۴)

جب نبی اکرم ﷺ کا معاملہ ان کے چچا جان حضرت ابو طالب کے سپرد ہوا تو اس وقت آپ تنگ دستی کی زندگی گزار رہے تھے۔جیسا کہ ابن اسحاق نے کہا ہے اور واقدی اپنی سند میں مجاہد سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ "جب حضرت عبدالمطلب اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور حضرت ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ کی کفالت اپنے ذمہ لی تو اس وقت حضرت ابو طالب کی معاشی حالت بہتر نہ تھی۔لہٰذا اپنی معاشی حالت کی پرواہ کیے بغیر آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر محبت فرماتے تھے اور محبت کا عالم یہ تھا کہ حضور ﷺ کو اپنے پہلو میں سلاتے تھے۔اور جب کہیں جانے کا اتفاق ہوتا تو رسول اکرم ﷺ کو ساتھ لے جاتے۔حضرت ابو طالب کو حضور اکرم ﷺ کی ذات سے وہ عشق تھا جس میں کوئی بھی آپ کا ہم پلہ نہ تھا۔اپنے بھتیجے کے لیے خود کھانے کا اہتمام فرماتے۔اور وہ کھانا جس میں صرف حضرت ابو طالب کے اہل و عیال شریک ہوتے وہ اکثر بھوکے رہ جایا کرتے اور جس کھانے میں نبی کریم ﷺ بنفس نفیس شامل ہوتے آپ ﷺ کی برکت سے وہ کھانا سب کو نہ صرف کفایت کرتا بلکہ حضرت ابو طالب کے سب گھر والے خوب سیر ہو کر تناول فرماتے۔یہاں تک کہ وہ کھانا بچ بھی جایا کرتا۔اور حضرت ابو طالب اپنے بھتیجے کو فرماتے "اے بھتیجے آپ بہت برکت والی ذات ہیں"۔اور جب بچے پراگندہ حال اور کیچڑ میں لتھڑے ہوتے تو رسول کریم ﷺ کے بچپن میں بھی نظافت کا عالم یہ ہوتا کہ سر انور پر تیل لگا ہوتا اور آنکھیں سرمہ سے سرمگیں ہوتیں۔(۵)

نبی کریم ﷺ بھی اپنے چچا سے اس درجہ محبت فرماتے جو محبت آپ کو اپنے چچا جان کی طرف سے ملتی تھی۔جب حضرت ابو طالب نے تجارت کی غرض سے ملک شام جانے کا قصد فرمایا اور سرداران قریش کے قافلے بھی اس سفر میں جانے کے لیے تیار ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے بھی حضرت ابو طالب کے ساتھ جانے کا ارادہ ظاہر کیا، اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک بارہ سال تھی۔آپ ﷺ نے اپنی عمر کی نازک مزاجیوں کو ترک کیا اور احساس و

شعور کو اپنایا اور یہی ایک کریم النفس انسان کا خاصہ ہوا کرتا ہے ۔اور اس کریم نفس کو اللہ کریم نے اپنی قدرت کاملہ کا مظہر اتم اور شاہکار بنایا اور رسالت کبریٰ کے لیے تیار فرمایا۔ چنانچہ جس نے بھی حضرت ابو طالب سے نبی کریم ﷺ کے اس سفر کی بابت استفسار فرمایا تو حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ نے اس کا کیا خوب جواب ارشاد فرمایا۔ "قسم بخدا ! میں اس مبارک ہستی کو اپنے ساتھ ضرور لے کر جاؤں گا۔ نہ یہ مجھ سے جدا ہوں گے اور نہ میں ان سے جدا ہوں گا۔(٦) اور یہی وہ محبت کا جوہر کامل تھا جس نے چچا اور بھتیجے کو احساس و محبت اور وارفتگی کی ایک ہی لڑی میں پروئے رکھا۔

ابن ہشام سے روایت ہے کہ قریش مکہ قحط اور بھوک میں بری طرح مبتلا ہوگئے ۔اور حضرت ابو طالب کا کنبہ زیادہ تھا جب کہ مال اور نان و نفقہ کم تھا۔ نبی کریم ﷺ کو اپنے چچا جان کی ایسی حالت کا ادراک ہو گیا جس سے حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ دوچار تھے۔ تو آپ ﷺ اپنے چچا حضرت عباس کے پاس تشریف لے گئے ۔ جن کا شمار بنی ہاشم کے اہل ثروت لوگوں میں ہوتا تھا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے اپنے چچا جان کو فرمایا: ’’اے چچا جان ! آپ کے بھائی ابو طالب کا کنبہ زیادہ ہے اور جیسا کہ آپ کو علم ہے کہ لوگ قحط میں گھرے ہوئے ہیں۔آپ میرے ساتھ چلیں تا کہ ہم ان کے خاندان کا بوجھ ان سے ہلکا کر سکیں۔ان کی اولاد میں سے ایک فرد میں اپنے ذمہ لوں گا اور ایک فرد آپ اپنے ذمہ لیں گے ، جن کی ہم کفالت کریں گے۔ حضرت عباس نے اپنے بھتیجے کی بات مان لی اور دونوں حضرت ابو طالب کے پاس گئے۔اور ان سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے گھر والوں کا بوجھ آپ پر سے ہلکا کر دیں یہاں تک کہ لوگ جس مصیبت سے دوچار ہیں ان کو بھی اس سے چھٹکارا مل جائے۔ تو حضرت ابو طالب نے کہا کہ زندگی کے جس حصہ میں میں ہوں مجھے زیادہ ضرورت ہے ، لہٰذا عقیل کو میرے پاس چھوڑ دو باقی جیسے آپ چاہیں کر لیں۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔اور حضرت عقیل اور حضرت طالب کو ان کے والد حضرت ابو طالب کے پاس چھوڑ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیشہ نبی کریم ﷺ کی معیت میں رہے یہاں تک کہ اللہ کے نبی ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ مکہ کے ان جوانوں میں سے تھے جنہوں نے سب سے پہلے رسالت محمدیہ ﷺ کی تصدیق کی اور اسلام قبول فرمایا۔اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حضرت عباس کے پاس ہی پروان چڑھے اور حضرت علی کے اسلام قبول کرنے کے تھوڑا عرصہ بعد ہی آپ نے اسلام قبول کرنے کا اعلان فرمایا۔(٧)

ابن اسحاق کی روایت میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابو طالب حضور اکرم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے انتہائی کمال محبت اور سچے پیار سے پیش آیا کرتے تھے۔اور جب ان ہستیوں سے ملاقات کرتے تو حسن وصل سے اپنی مشام جان کو معطر کر لیا کرتے تھے ۔ایک دفعہ انہوں نے پدری محبت میں آکر رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اے میرے بھتیجے وہ دین کیا ہے جس کے آپ پیروکار ہیں۔ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا : اے چچا جان ! یہ اللہ کا دین ہے اور اس کے فرشتوں، رسولوں اور ہمارے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے

اپنے بندوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اور اے چچا جان آپ اس خیر خواہی اور راہ ہدایت کو اختیار کرنے، میری دعوت حق پر لبیک کہنے اور نصرت و تائید کے زیادہ حق دار ہیں۔ تو حضرت ابو طالب نے کہا: اے میرے بھتیجے! مجھ میں سکت نہیں کہ میں اپنے آباء کے دین کو چھوڑوں جس پر وہ تھے لیکن قسم بخدا! جب تک میرے جسم میں جان ہے کسی کی ہمت نہیں جو آپ کی طرف میلی آنکھ بھی اٹھا کر دیکھ سکے۔ پھر حضرت ابو طالب نے اپنے بیٹے علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے سوال کیا کہ اے میرے بیٹے وہ دین کیا ہے جس پر آپ کاربند ہیں۔ تو انہوں نے عرض کی کہ اے ابا جان! میں اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آیا اور جو وہ اپنے ساتھ حق لائے اس کی تصدیق کی اور اسی پر ڈٹا رہا اور اس کی اتباع کی۔ تو حضرت ابو طالب نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اے بیٹے اس کریم ہستی سے تیرے لیے خیر کے سوتے پھوٹیں گے، لہٰذا اس سے جدا مت ہونا۔ اور اس چشمہء خیر سے وابستہ رہنا۔ (۸)

ابن کثیر نے ایک روایت ذکر کی ہے کہ قریش حضرت ابو طالب کے پاس آئے اور کہا کہ اے ابو طالب! تیرا بھتیجا ہمارے گروہوں اور بت خانوں میں آ کر ہمیں اذیت دیتا ہے، پس اسے تبلیغ و پرچار کرنے سے منع فرمائیں۔ تو حضرت ابو طالب نے اپنے بیٹے حضرت عقیل سے فرمایا کہ چلو مجھے محمد ﷺ کے پاس لے چلو۔ جب حضور ﷺ کی بارگاہ میں پہنچے تو اللہ کے نبی اپنے کاشانہ نبوت سے باہر تشریف لائے۔ دوپہر کا وقت تھا اور شدت گرمی عروج پر تھی۔ حضرت ابو طالب نے اپنے بھتیجے سے فرمایا کہ سرداران قریش یہ خیال کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ان کی محفلوں اور عبادت گاہوں میں اذیت پہنچاتے ہیں۔ پس ان کو تکلیف و اذیت پہنچانے سے باز آ جائیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی اور فرمایا کہ کیا یہ سورج دیکھتے ہیں۔ تو انہوں نے کہا جی ہاں، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ سورج میری ہتھیلی پر بھی لا کر رکھ دیں تو پھر بھی میں دعوت حق کا پیغام پہنچانے سے باز نہیں آؤں گا۔ یہ جواب سن کر حضرت ابو طالب نے ارشاد فرمایا: خدا کی قسم! کبھی بھی میرے بھتیجے نے جھوٹ نہیں بولا۔ پس آپ لوٹ جائیں۔ اس حدیث پاک کو امام بخاری اور امام بیہقی نے اپنی کتب میں روایت کیا ہے۔ (۹)

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ ابو طالب نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے بھتیجے: آپ میرا بھی خیال رکھیں اور اپنی جان کا بھی، اور مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالیں جس کو میں اٹھا بھی نہ سکوں اور نہ ہی آپ اٹھا سکیں۔ پس آپ اپنی قوم سے ہر وہ معاملہ کرنے سے باز آ جائیں جس کو وہ ناپسند کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے گمان کیا کہ شاید انہوں نے اپنے چچا کے لیے ایسے کام کا آغاز کیا ہے جس سے ان کو شرمندگی اٹھانا پڑ رہی ہے۔ اور بیہقی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غمگین ہوئے اور رو دیے اور جب واپس اپنی اصلی کیفیت میں آئے اور حضرت ابو طالب نے وہ معاملہ جو حضور ﷺ کے ساتھ پیش آیا جب اس کی نزاکت کو بھانپ لیا تو حضور ﷺ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے میرے بھتیجے، میرے قریب آؤ، حضور ﷺ قریب آئے تو کہا، اے میرے بھتیجے آپ جائیں اور جو آپ کو پسند ہو آپ وہی کریں۔ قسم بخدا! میں کبھی بھی آپ کو دشمن کے حوالہ نہیں کروں گا۔ (۱۰) پھر آپ رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے۔

والله لن يصلوا إليه بجمعهم حتى أوسد في التراب دفينا

خدا کی قسم! یہ قریش اپنی تمام جمعیت کے ساتھ بھی آپ کے قریب بھٹک نہیں سکتے یہاں جب تک کہ میں مٹی میں دفن نہ کردیا جاؤں۔

اِمْضِ لأمرك ما عليك غضاضة وابشر وقرّ بذاك منك عيوناً

تم بے خوف ہو کر علانیہ تبلیغ کرو تم پر کوئی پابندی نہیں، اس بات سے خوش ہو جاؤ اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو۔

ودعوتني وعلمت أنك ناصح فلقد صدقت وكنت قديماً أمينا

اور تم نے مجھ کو دعوت دی ہے اور میں جانتا ہوں کہ تم میرے مخلص ہمدرد ہو، تمہاری دعوت صادق وامین کی دعوت ہے۔

وعرضت ديناً قد عرفت بأنه من خير أديان البريّة دينا

آپ نے مجھے ایک ایسے دین کی پیشکش کی ہے کہ مجھے یقینی طور پر معلوم ہے کہ دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات کا سب سے بہتر دین ہے۔

لولا الملامة أو حذاري سبّة لوجدتني سمحاً لذاك مبينا

اور اگر ملامت نہ ہوتی یا سب وشتم سے میرا بچنا نہ ہوتا تو آپ ضرور مجھے اس کے لیے واضح اطاعت کرنے والا پاتے۔

حضرت ابوطالب کے یہ پانچ اشعار ہیں جن سے درج ذیل امور اخذ ہوتے ہیں۔

۱۔ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کا اپنے بھتیجے کا دفاع کرنا اور خون کے آخری قطرہ تک اپنے بھتیجے کی نصرت وتائید میں گروہ کفار کے سامنے عزم واستقلال کی آہنی چٹان بن کے کھڑے رہنا۔

۲۔ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کا اپنے بھتیجے کی اس انداز میں نصرت وتائید کرنا جو ان کی ابلاغ رسالت اور اعلانیہ دعوت وارشاد میں ممد ومعاون ثابت ہو۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ اپنے چچا جان کو خصوصی طور پر اور لوگوں کو عمومی طور پر دعوت دین دیتے نظر آتے ہیں۔ آپ ﷺ صادق، امین اور مخلص خیر خواہ ہیں۔

۴۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو یہ باور کرایا اور حضرت ابوطالب نے اعتراف کیا کہ وہ دین جس کا پرچار وہ کر رہے ہیں وہ تمام ادیان عالم میں سب سے اعلی وارفع دین ہے۔

۵۔ اور اس بات کو بھی لوگوں کے اعیان واذہان میں راسخ کیا کہ اپنے آباء کے دین پر ڈٹے رہنا اور دعوت حق کو قبول نہ کرنا یہ کوئی عقلمندی نہیں ہے۔ اور ہدایت ہر حال میں ہدایت ہی ہوتی ہے جس کا وقوع پذیر ہونا اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے حوالہ سے علماء کا اختلاف ہے اور اکثر کے نزدیک اسلام قبول کرنے کے حوالہ سے کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہے۔(۱۱) اگرچہ آپ کی نصرت و تائید حضور اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کے لیے آخر دم تک جاری وساری رہی۔اسی لئے رسول اللہ ﷺ آپ کے اسلام لانے پر بہت حریص تھے تاکہ وہ اپنے نیک اعمال کا اجر بارگاہ الٰہی سے پا سکیں۔لیکن مشیئت ایزدی کے سامنے کسی کو دم مارنے کی کیا مجال ہے۔علامہ ابن کثیر اس علم و حکمت والی ذات کی حکمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

> "حضرت ابو طالب کا اپنی قوم کے دین پر قائم رہنا اللہ کریم کی حکمتوں میں سے ایک حکمت تھی جس نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی قوم کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھا۔اور اگر حضرت ابو طالب اسلام قبول کر لیتے تو مشرکین قریش کی نظروں میں آپ کی ہیبت و جلال کا رعب ختم ہو کر رہ جاتا ۔اور آپ کا عزت و احترام ان کی نظروں میں مفقود ہو جاتا اور ان کے ہاتھ اور زبانیں آپ کو تکلیف پہنچانے کے لیے وا ہو جاتیں اور آپ کا کریم رب جسے چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور جو چاہتا ہے وہی معاملہ اختیار فرماتا ہے"۔(۱۲)

علامہ ابن کثیر نے حضرت ابو طالب کی ذات مکرم کے بارے میں اپنی گفتگو مندرجہ ذیل کلمات پر ختم کی ہے:

''ہم نے حضرت ابو طالب کے وہ کارہائے نمایاں جو انہوں نے اسلام، رسول اسلام اور آپ ﷺ کے صحابہ کی حمیت و حفاظت، دفاع اور نصرت و تائید کی صورت میں سرانجام دیے ہیں، ان کو بیان کیا ہے۔اور اسی طرح جو انہوں نے اپنے اشعار میں مدحت و ثناذات محبوب باری تعالیٰ اور ان کے اصحاب کی جس مؤدت و محبت اور وارفتگی میں کی ہے، اور جنہوں نے بھی عیب و تنقیص کو حضور ﷺ کی ذات کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کی، ان مخالفین کی تکذیب اپنی فصیح و بلیغ عبارات میں اس ہاشمی و مطلبی انداز میں کی کہ کسی کو اللہ کے نبی کی شان میں ہرزہ سرائی کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔اور کوئی عربی شاعر و خطیب کلام ابو طالب کے مقام و مرتبہ کی بلندیوں تو کیا اس کی گرد راہ کو بھی نہیں چھو سکا۔(۱۳)

حضرت ابو طالب کی وفات شوال یا ذی قعد کے مہینہ میں ہوئی اور اس وقت آپ کی عمر اسّی سال سے کچھ زیادہ تھی۔اور حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات آپ رضی اللہ عنہ سے پینتیس دن پہلے ہوئی۔اور ایک قول کے مطابق دونوں کے وصال میں پچپن دن کا فرق ہے۔اور ایک قول تین دن کا بھی کیا گیا ہے۔(۱۴) لیکن مشہور یہی ہے کہ آپ کی وفات نبی اکرم ﷺ کے ہجرت مدینہ سے تین سال اور چار ماہ پہلے ہوئی۔ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وصال آپ رضی اللہ عنہ کے تین دن بعد ہوا۔(۱۵) پس ان دونوں ہستیوں کے رحلت فرما جانے سے نبی کریم ﷺ کی نصرت و تائید کا وہ باب بند ہو جاتا ہے جو آپ ﷺ کو ان دونوں ذاتوں سے میسّر تھی۔ کہ جن کے دست الفت و محبت سے آپ اپنے دشمنوں کی طرف سے دی جانے والی تکالیف سے مأمون و محفوظ رہتے

تھے۔ حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد قریش کی طرف سے ایذار سانی کا سلسلہ شدت اختیار کر جاتا ہے۔ اسی لیے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "قریش مجھے کوئی ایسا نقصان نہ پہنچا سکے جو میرے لئے تکلیف دہ اور ناپسندیدہ ہوتا یہاں تک کہ ابو طالب وفات پا گئے۔" (۱۶)

حضرت ابوطالب کا قصیدہ لامیہ

قصیدہ لامیہ حضرت ابو طالب کا طویل ترین اور مشہور زمانہ قصیدہ ہے۔ اس قصیدہ کی اب تک کئی شروحات لکھی جا چکی ہیں جن میں سے تین اہم شروح مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ زهرة الأدباء في شرح لامية شيخ البطحاء/ تالیف شیخ قاضی جعفر محمد نزاری عماری

۲۔ شرح قصیده أبي طالب/ مفتی عباس بن علی اکبر تستری

۳۔ طلبة الطالب في شرح لامية أبي طالب/ سید علی فہمی باشا

جب حضرت ابو طالب رسول اللہ ﷺ، آپ کے اصحاب اور بنو ہاشم کے ساتھ گھاٹی میں محصور تھے تو آپ رضی اللہ عنہ قریش کو اپنے اشعار کے ذریعے اس بات کی طرف متوجہ کرتے رہتے تھے کہ وہ اپنی ریشہ دوانیوں اور بغاوت کو ترک کر دیں چنانچہ اس دور کی مختلف اسالیب واشکال والی شاعری میں سے آپ کا یہ مشہور و معروف قصیدہ "قصیدہ لامیہ" بھی ہے جس کے بارے میں علامہ ابن کثیر کہتے ہیں۔ "یہ عظیم قصیدہ بلاغت و معانی کا ایک ایسا شاہکار ہے جس کو صرف وہی کہہ سکتا ہے تھا جس کی طرف یہ منسوب ہے۔ یہ وہ قصیدہ ہے جس کا مقام و مرتبہ سبع معلقات سے بھی اعلی وارفع ہے اور معنی کی ادائیگی میں ان تمام سے زیادہ بلیغ ہے۔ (۱۷)

اور اسی طرح کہا گیا ہے کہ اس قصیدہ کی شہرت امراؤالقیس کے قصیدہ "قفانبک" جیسی ہے اگرچہ اس کے بعض مقامات محل نظر ہیں جیسا کہ "قفانبک" والے قصیدہ کے کچھ مقامات بھی ایسے ہیں۔ (۱۸)

مشہور نقاد ابن سلام جمحی اس قصیدہ کے بارے میں کہتے ہیں: (وكان إبو طالب شاعراً جيّدا الكلام...) "حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ عمدہ کلام شاعر تھے۔ اور جو انہوں نے قصیدہ نبی اکرم ﷺ کی شان میں کہا ہے وہ ادبی حسن و جمال اور فصاحت و بلاغت میں کمال درجہ کا حامل ہے۔ جس میں آپ رضی اللہ عنہ یوں گویا ہوتے ہیں۔

وَأَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ(۱۹)

وہ روشن چہرہ جس کا واسطہ دے کر بارش طلب کی جاتی ہے، وہ یتیموں کی پناہ گاہ اور بیواؤں کا سہارا ہیں۔ اور بعض اہل ذوق نے (یَستسقی) کو مجہول کے بجائے معروف پڑھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: وہ نورانی چہرہ جس کا واسطہ دے کر بادل پانی طلب کرتا ہے۔

ابن ہشام کے نزدیک اس قصیدہ کے اشعار کی تعداد چورانوے ہے۔ اور ابن ہشام سے امام سہیلی نے اس قصیدہ کو اپنی کتاب "الروض الانف" میں نقل کیا ہے۔ اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ میں بعض الفاظ اور اشعار کے

اختلاف کے ساتھ اس کو ذکر کیا ہے۔اور صاحب سیرت حلبیہ اس بارے میں فرماتے ہیں "اس قصیدہ کے اشعار کی تعداد اسّی سے زیادہ ہے"۔ (۲۰)

ابن ہشام ذکر کرتے ہیں کہ ابو طالب نے یہ قصیدہ اس وقت منظوم فرمایا جب دعوت محمدیہ ﷺ کے دشمن حج کے موسم میں آنے والے حجاج کے راستوں میں بیٹھ جاتے تاکہ بیت اللہ کی طرف آنے والوں کو اس بات سے ڈرائیں کہ محمد ﷺ (جو اللہ کے رسول ہیں وہ نعوذ باللہ) لوگوں پر جادو کرتے ہیں۔ پس ابو طالب کو عرب کے ان شر پسند عناصر سے یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں قریش عرب میرے بھتیجے کو کوئی گزند نہ پہنچائیں۔ اور ان کے اصحاب اور ساتھ دینے والوں کو اذیت نہ پہنچائیں۔ پس آپ نے یہ قصیدہ کہا جس میں حرم کعبہ کی حرمت اور اس کی قدر و منزلت بیان کی۔ اور اپنی قوم کے شرفاء کا ذکر کیا۔اور اس طرح آپ نے اپنے اشعار میں اپنوں اور بیگانوں، سب کو متنبہ کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو کسی بھی قیمت پر ان کے حوالے نہیں کریں گے۔ اور نہ ہی کسی صورت ان سے جدا ہوں گے اور انہیں بے یار و مددگار چھوڑیں گے یہاں تک کہ ان کی خاطر انہیں ہلاک کر دیا جائے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَلَمَّا رَأَيْتُ الْقَوْمَ لَا وُدَّ فِيهِمْ ... وَقَدْ قَطَعُوا كُلَّ الْعُرَى وَالْوَسَائِلِ

اور جب میں نے قوم (کفار قریش) کو دیکھا کہ ان کے دلوں میں (ہمارے لیے) کوئی محبت باقی نہ رہی۔ اور انہوں نے ہر قسم کے تعلقات اور وسائل (ہم سے) منقطع کر لیے۔

وَقَدْ صَارَحُونَا بِالْعَدَاوَةِ وَالْأَذَى ... وَقَدْ طَاوَعُوا أَمْرَ الْعَدُوِّ الْمُزَايِلِ

اور (بلکہ) وہ ہمارے ساتھ کھلی عداوت اور ایذا رسانی پر اتر آئے اور ہمارے سخت دشمن کی بات ماننے پر مجبور ہو گئے۔

وَقَدْ حَالَفُوا قَوْمًا عَلَيْنَا أَظِنَّةً ... يَعَضُّونَ غَيْظًا خَلْفَنَا بِالْأَنَامِلِ

اور انہوں نے ہمارے خلاف ایسی قوم سے عہد و پیمان باندھا جو تہمت زدہ تھے۔ اور وہ ہماری مخالفت میں غصہ سے انگلیاں کاٹنے لگے۔

صَبَرْتُ لَهُمْ نَفْسِي بِسَمْرَاءَ سَمْحَةٍ ... وَأَبْيَضَ عَضْبٍ مِنْ تُرَاثِ الْمَقَاوِلِ

پس میں نے صبر اور نرمی سے کام لیا اور اپنے گندم گوں لچکدار نیزوں اور سفید آبدار کاٹنے والی تلواروں کو جو آباء واجداد سے ورثہ میں ملی تھیں (انہیں) روکے رکھا۔

وأحضرتُ عندَ الْبَيْتِ رَهْطِي وَإِخْوَتِي ... وأمسكتُ مِنْ أثوابِه بالوصائل

اور میں نے بیت اللہ کے پاس اپنے قبیلہ اور بھائیوں کو جمع کیا۔اور سرخ رنگ کا غلاف کعبہ جس پر سبز رنگ کی کشیدہ کاری کی گئی تھی اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

قِيامًا مَعًا مُسْتَقْبِلِينَ رِتاجَه لَدَىَّ ... حيثُ يَقْضي حلفه كلّ نافِلِ

سب لوگ خانہ کعبہ کے عظیم دروازے کی طرف رخ کر کے میرے پاس کھڑے تھے جہاں

عبادت گزار لوگ اپنی عبادات نافلہ اور قسموں کو پورا کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔

وحيثُ يُنيخ الْأَشْعَرُونَ ركابَهم ... بمُفْضَي السُّيولِ مِنْ أسافٍ وَنائِلِ

اور جہاں پر حجاج اپنے اونٹوں کو بٹھاتے تھے۔اور اساف اور نائلہ (بتوں) کے مقام پر اپنی نذروں کو پورا کیا کرتے تھے۔

مُوَسَّمة الأعضادِ أَوْ قَصَراتها ... مُخَيَّسة بينَ السَّديس وبازل

اور وہ (اونٹ) رانوں اور گردنوں پر نشان زدہ ہوتے تھے اور وہ اونٹ ہر سن و سال (چھٹے، ساتویں اور نویں سال) کے تھے۔

تَرى الوَدْع فِيهَا والرخامَ وَزِينَةً ... بأعناقِها مَعْقُودَةٌ كالعثاكلِ

تو دیکھتا ہے کہ ان کی آرائش و زیبائش مختلف قسم کے قلادہ پہنا کر کی جاتی تھی۔ جیسے انگور کے خوشے (ترتیب کے ساتھ ایک دوسرے میں) پیوست ہوتے ہیں۔

بیشک ہم اس قصیدہ کے اشعار میں ایسی قوت و توانائی پاتے ہیں جس کا سرچشمہ و منبع ہمیشہ حق و صداقت پر مبنی جذبات و احساسات ہوتے ہیں اور یقیناً حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ نے حق و صداقت پر مبنی اشعار کو بیان کیا۔اور اس کے اسرار و رموز میں غوطہ زنی کی۔ آپ اپنے بھتیجے کے لیے ایک لحہ بھی غافل نہ ہوئے اس یقین کے ساتھ کہ جس کی طرف وہ لوگوں کو بلا رہے ہیں، وہ حق ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔اور قریشی قوم کی یہ جرات و مجال نہ تھی کہ وہ ابو طالب سے جھگڑا کریں یا ایک لمحے کے لیے آپ ﷺ کے عظیم حسب و نسب کے بارے میں بانگ دہل آپ ﷺ سے جنگ و جدل کریں۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ سے جھگڑا کیا۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی آپ کی لطف و عنایات اپنے بھتیجے پر جاری و ساری رہیں۔

اور قریش مکہ نے بہت سارے حیلے بہانے تلاش کیے جن میں حضور ﷺ کے معاملہ میں نہ تو آپ کو قریش مکہ کے تابع و مطیع پایا اور نہ ہی نرم برتاؤ کرنے والا پایا۔ بلکہ آپ ان اشعار میں یہ اعلان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ اے اہل عرب (کفار قریش) حضور ﷺ کو قتل کرنے جیسے ناپاک عزائم سے باز رہو۔ لہٰذا جب آپ رضی اللہ عنہ پر اپنی قوم میں چھپی عداوت ظاہر ہوئی اور آپ کو یقین ہو گیا کہ انہوں نے اپنے تمام روابط و رشتہ داریاں منقطع کر دی ہیں اور عہد و پیمان کو توڑ دیا ہے اور محبت و الفت اور باہمی یگانگت کو پس پشت ڈال دیا ہے، نیز دشمنی اور ایذا رسانی پر اتر آئے ہیں۔ اور ان کا ایسا کرنا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ وہ ان کے سخت دشمن ہیں اور بنی ہاشم کے لیے ان کے دلوں میں نفرت و کدورت کی آگ بھڑک رہی ہے۔ یہاں تک کہ ان کی یہ عداوت ان کو ان کے گھٹیا پن اور گھٹیا سوچ کی طرف لے گئی تھی۔

اور جب آپ نے دیکھا کہ ان لوگوں کے خلاف لشکر کشی سے راہ فرار نہیں اور مختلف قسم کے ہتھیاروں سے لیس ہونا ضروری ہے۔ تو حضرت ابو طالب اپنے قریبی رشتہ داروں اور بھائیوں کے ساتھ بیت اللہ شریف حاضر

ہوئے اور غلاف کعبہ سے لپٹ کر اور اپنا رخ اس عظیم پروردگار کے گھر کے دروازے کی طرف کر دیا جہاں اس مقدس حرم میں عہد و پیمان باندھے جاتے ہیں اور جہاں لوگ اپنی نذروں اور وعدوں کو پورا کرتے ہیں جس کو بارگاہ الٰہی میں تقرب کا ذریعہ شمار کیا جاتا ہے۔ ان اشعار میں حضرت ابو طالب اپنے دشمنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں ۔اور آپ اپنی قوم اور بھائیوں سے مل کر غلاف کعبہ سے لپٹتے ہیں ۔چونکہ باب کعبہ کے ہر مقام اور ہر جگہ کو زمانہ جاہلیت میں بھی ایک خاص حرمت والا اور مقدس مقام سمجھا جاتا تھا۔ جہاں پر کینہ پرور اور حاسدین کے حسد سے اللہ تعالی کی پناہ طلب کی جاتی تھی ۔حضرت ابو طالب اپنے اشعار میں مزید فرماتے ہیں :

أَعُوذُ بربِّ الناسِ مِنْ كُلِّ طَاعِنٍ ... عَلَيْنَا بسوءٍ أَوْ مُلح بباطِلِ

میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس شخص سے جو ہم پر کسی برائی کی تہمت لگائے یا کسی باطل اور غلط بات پر اصرار کرے۔

وَمِنْ كاشحٍ يسعَى لَنَا بِمَعِيبَةٍ ... وَمِنْ مُلْحِقٍ فِي الدِّينِ مَا لَمْ نُحاوِلِ

اور اس کینہ پرور دشمن سے (پناہ مانگتا ہوں) جو ہم میں عیب جوئی کی کوشش کرے ۔اور دین میں ایسی بات شامل کرنے والے سے جس کا ہم نے کوئی اقدام نہ کیا ہو۔

وثَوْرٍ وَمَنْ أرسَى ثَبيرًا مكانَه ... وراقٍ لِيَرْقَى فِي حِراءَ ونازِل

اور میں (پاک پروردگار کی پناہ چاہتا ہوں) جس نے جبل ثور و ثبیر کو ان کی جگہوں پر قائم کیا۔اور (اس نبی ﷺ کی قسم) جو جبل حرا پر جاتے اور آتے ہیں۔

وبالبيتِ، حقُّ البيتِ، من بَطْنِ مَكَّةَ ... وباللهِ إِنَّ اللهَ لَيْسَ بغافِلِ

اور مکہ کی وادی میں جو خدا کا گھر ہے، اس گھر کی عظمت کی پناہ مانگتا ہوں ۔(اور سب سے بڑھ کر) پروردگار عالم کی پناہ مانگتا ہوں ، بیشک اللہ تعالی اپنے بندوں سے غافل نہیں ہے۔

وبالحجرِ المسْوَدّ إِذْ يَمْسَحُونَهُ ... إِذَا اكْتَنفُوهُ بالضُّحَى وَالْأَصَائِلِ

(اور میں پناہ مانگتا ہوں) حجر اسود کی جسے لوگ چھوتے (اور چومتے) ہیں اور صبح و شام اس سے لپٹے رہتے ہیں۔

وَمَوْطِئِ إبراهيمَ فِي الصخرِ رَطْبَةٌ ... عَلَى قدمَيْه حَافِيًا غَيْرَ ناعِلِ

اور سعی کے مقام ابراہیم (یعنی) وہ پتھر جو اتنا نرم ہو گیا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ننگے پاؤں کو اس پر رکھا تو اس پتھر میں نشانات قدم ثبت ہو گئے۔

وأشْواط بينَ المروَتَيْن إِلَى الصَّفَا ... وَمَا فِيهِمَا مِنْ صُورةٍ وتَماثِلِ

اور ان چکروں (کی پناہ) جو صفا و مروہ کے درمیان لگتے ہیں اور ان دونوں میں جو نشانات و شعائر موجود ہیں۔

وَمنْ حجَّ بيتَ اللهِ مِنْ كلِّ راكبٍ ... وَمِنْ كلِّ ذِي نَذرٍ وَمِنْ كُلِّ رَاجِلِ

اور وہ تمام لوگ جو نذر کر کے، سوار ہو کر یا پیادہ بیت اللہ کا حج کرنے آتے ہیں۔

مندرجہ بالا اشعار میں حضرت ابوطالب بہت ساری حج کی جگہوں اور اس کے مناسک کو بیان فرماتے ہیں۔ لوگوں کا حجر اسود کو بوسہ دینے اور استلام کا ذکر فرماتے ہیں۔اور مقام ابراہیم علیہ السلام، جہاں پر آپ کے اس پتھر پر قدم لگے تھے۔اور جو ہر گزرتے زمانے کے ساتھ محفوظ ہے اس کا ذکر فرماتے ہیں۔اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کو بیان فرماتے ہیں اور اس کے اطراف میں شعائر اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر بیت اللہ میں آنے والے ان حجاج کا ذکر کرتے ہیں جو وفد در وفد اپنے فریضہ کی ادائیگی اور نذروں کو پورا کرنے کے لیے سوار یا پیادہ آتے ہیں۔اور اسی طرح مشعر حرام کے جلو میں آکر میدان عرفات سے مزدلفہ کی طرف رخت سفر باندھتے ہیں پھر حجاج میدان عرفات سے لوٹتے ہوئے وہاں پر رات کا ایک پہر قیام فرماتے ہیں، جہاں پر وہ اللہ کی عبادت میں مگن رہتے ہیں اور کنکریاں جمع کرتے ہیں۔پھر منٰی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔اور وہاں پر ایک بہت بڑے جم غفیر کی صورت میں رمی جمار (شیطان کو کنکریاں مارنا) کرتے ہیں۔اس طرح حضرت ابوطالب ان تمام مناسک وشعائر کا ذکر کرتے ہیں جن کو عرب مقدس جانتے ہیں اور اس کو عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

پھر اس کے بعد شاعر سوال کرتا ہے کہ کیا مذکورہ بالا ملجأ وماؤی کے علاوہ بھی کوئی ایسا مقام ہے جس میں پناہ گزین کو پناہ مل سکے؟اس کے بعد کہ ہماری قوم نے ہمارے دشمنوں کی اطاعت کر لی اور انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ہم پر سارے دروازے بند کر دیئے جائیں خواہ وہ ترکی ہو یا افغانستان!

آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فَهَلْ بَعْدَ هَذَا مِنْ مَعَاذٍ لِعَائِذٍ ... وَهَلْ مِنْ مُعِيذٍ يتقي اللهَ عاذلِ

کیا اس کے بعد بھی کسی پناہ گزین کے لئے کوئی پناہ گاہ موجود ہے اور کیا کوئی انصاف پسند ایسا نہیں رہ گیا ہے جو خدا سے ڈرے (اور ان لوگوں کو سمجھائے کہ رسول خدا کو اذیت نہ پہنچائیں)۔

يُطاع بنا أمرُ العدوِّ وَدَّ انَّنا ... تُسدُّ بِنَّا أبوابُ تُركٍ وَكابُلِ

ہمارے دشمن کی بات مانی جارہی ہے اور ان کی یہ خواہش ہے کہ ہم پر تمام دروازے یہاں تک کہ ترک اور کابل کے دروازے بھی بند کر دیے جائیں۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوطالب اسی طرح بیت اللہ کی قسم کھاتے ہیں جس طرح وہ لوگ قسمیں کھاتے تھے۔کہ ان کا گھاٹی میں پناہ گزیں ہونا قریش کی امیدوں کو کسی بھی صورت بروئے کار نہیں لائے گا۔کہ وہ ان کے لیے مکہ خالی چھوڑ دیں اور محمد ﷺ اور ان کے اصحاب سے کنارہ کشی اختیار کر لیں، جنہوں نے ان کی غمخواری کی۔اور نہ ہی وہ محمد ﷺ کو کسی بھی صورت میں دشمنوں کے حوالہ کریں گے اگرچہ یہاں پر لاشوں کے ڈھیر ہی کیوں نہ لگ جائیں۔ کیونکہ (ہم تو وہ ہیں) جو ذات مصطفیٰ ﷺ کی خاطر اپنے اہل وعیال کو بھلا دیں گے اگرچہ معرکہ دنوں یا ماہ

وسال پر ہی کیوں نہ محیط ہو۔ بیشک ذات مصطفیٰ ﷺ اور آپ ﷺ کے دین کو دشمنوں کے لیے چھوڑنا باعث ننگ وعار ہے۔ کیونکہ یہ وہ مبارک ہستی ہے کہ جس کے وسیلہ سے بچپن میں ہی آپ ﷺ کے آباؤ واجداد کو سیرابی وخوشحالی میسر ہے اور اللہ تعالی نے آپ ﷺ کی برکت سے آپ ﷺ کی قوم کو پانی سے سیراب فرمایا۔ پس آپ رضی اللہ عنہ یوں گویا ہوتے ہیں۔

كذبتمْ وبيتِ اللّهِ نَتْرُكُ مَكَّةَ ... ونَظْعنُ إِلَّا أمرُكم فِي بلابلِ

رب کعبہ کی قسم! تم نے جھوٹ بولا کہ ہم لوگ مکہ چھوڑ دیں گے اور یہاں سے کوچ کر جائیں گے بلکہ ان (قریش) کے تمام ارادے لغو وبیکار ہیں۔

كَذَبْتُمْ وبيتِ اللّهِ نُبْزِي مُحَمَّدًا ... ولما نطاعنْ دُونَهُ وَنُناضِلْ

اللہ کے گھر کی قسم! تم جھوٹے ہو کہ ہم رسول خدا ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں بلکہ ہم تو ان کی حمایت میں تم سے نیزوں اور تلواروں کے ذریعے مقابلہ کریں گے۔

وَنُسْلِمُهُ حَتَّى نُصَرَّع حَوْلَهُ ... ونَذْهَل عَنْ أبنائِنا وَالْحَلَائِلِ

اور ہم ان کی مدد ونصرت کرتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کی نظروں کے سامنے جان دے دیں اور اپنے اہل وعیال سے غافل ہو جائیں۔

وَيَنْهَضُ قَوْمٌ فِي الْحَدِيدِ إليكمُ ... نهوضَ الرَّوايا تحتَ ذَاتِ الصَّلَاصِلِ

اور (ہمارے مرنے کے بعد بھی) ایسے لوگ اٹھیں گے جو اسلحوں سے لیس ہوں گے۔ اور سیل رواں کی طرح (تم پر) چھا جائیں گے۔

وَحَتَّى تَرَى ذَا الضَّغْنِ يَرْكَبُ رَدْعَه ... من الطَّعنِ فعلَ الأنْكَبِ المتحامِلِ

اور یہاں تک کہ آپ دیکھیں گے کہ کینہ پرور لوگوں کے کینہ کو اپنے نیزوں کے ذریعے ختم کر دیں گے اور دشمن منہ کے بل زمین پر گر پڑیں گے۔

وإنّا لعَمْرُ اللّهِ إنْ جَدَّ مَا أَرَى ... لتَلْتَبِسَنْ أسيافُنا بِالْأَمَاثِلِ

اور اللہ کی قسم! میری نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ اگر معاملہ سنجیدہ ہوا تو ہماری تلواریں ضرور اشرافیہ کے خون سے لت پت ہوں گی۔

بكَفَّيْ فَتًى مِثْلَ الشِّهَابِ سَمَيْدعٍ ... أخي ثقةٍ حامي الحقيقةِ باسل

(اور ہماری یہ تلواریں) ایسے بہادروں کے ہاتھوں میں ہوں گی جو شہاب ثاقب کی طرح (دشمنوں پر ٹوٹ پڑیں گے) جو ہر لحاظ سے قابل اعتماد ہوں گے، حق وحقیقت کی حمایت کرنے والے اور شجاع ہوں گے۔

شُهُورًا وَأَيَّامًا وَحَوْلًا مُجَرَّمًا ... عَلَيْنَا وَتَأْتِي حِجَّةٌ بعدَ قَابِلِ

(اور ہمارے یہ مقابلے اتنے طویل ہوں گے) کہ دن مہینوں میں، مہینے سال میں بدل جائیں گے اور ایک سال کے بعد دوسرا سال آجائے گا۔

بلاشبہ مذکورہ اشعار میں عشق و محبت کی حرارت اور جذبات واحساسات کی سچائی کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اور حضور ﷺ کے حق میں کسی بھی قسم کی تنقیص و کوتاہی کا جراتمندانہ اور غیرت مندانہ انکار ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ اور محمد ﷺ کو حوالے کرنا یا چھوڑ دینا اور ان سے کنارہ کشی اختیار کرنا اس کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان میں جب تک خون کا آخری قطرہ تک موجود ہے وہ آپ ﷺ کی ذات پر قربان کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔ اور جتنی وہ قوت وطاقت رکھتے ہیں آپ ﷺ کا دفاع کریں گے اگرچہ آپ کے ارد گرد کشتوں کے پشتے ہی کیوں نہ لگا دیے جائیں۔ اور اگرچہ ان کو اپنی اولادوں اور زوجات کو فراموش ہی کیوں نہ کرنا پڑے اور ان حقوق سے کنارہ کشی ہی کیوں نہ اختیار کرنی پڑے۔ اور جب تک یہ دشمنی باقی رہے گی وہ اپنی مکمل استعداد کے ساتھ اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے جنگ کا لباس زیب تن کیے رکھیں گے۔ اور ان کی تلواریں ان کے بڑے جانی دشمنوں کو صفحہ ہستی سے مٹادیں گی اور ان کی تلواریں شہاب ثاقب کی طرح ان پر برسیں گی اور شجاعت و بہادری میں وہ ایسی مثال قائم کریں گے کہ رہتی دنیا تک ان کی عظمت کے گن گائے جاتے رہیں گے اور وہ اس جنگ کو جاری وساری رکھیں گے چاہے وہ جتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو جائے۔ اگرچہ اس پر ماہ وسال ہی کیوں نہ گزر جائیں۔ اسی لیے روایت کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم بدر مقتولین بدر کی جگہوں پر نظر دوڑائی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا "اگر حضرت ابو طالب زندہ ہوتے تو وہ جان لیتے کہ بے شک ہماری تلواروں نے اشرافیہ کا قلع قمع کر دیا ہے۔"

حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ اپنی گفتگو کو رسالت محمدیہ ﷺ کے دفاع میں جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایسا کیونکر نہ ہو بے شک محمد ﷺ کو دھوکا یا ان سے کنارہ کشی وہی انسان اختیار کر سکتا ہے جو اخلاق رذیلہ اور سوء طبع اور بد بختی و نحوست سے متصف ہو۔ اور کون شخص ان کا دفاع کرے گا ہم اس ذات والا صفات، منبع اخلاق، صفات حمیدہ سے متصف اتنی عظیم ہستی کا دفاع نہ کر سکے، جس کا نام نامی اسم گرامی محمد ﷺ ہے۔ اور وہ بذات خود عزتوں کا محافظ ہے۔ اور وہ تو ایسا سخی سردار ہے کہ جس کی برکت سے اللہ کریم بارش نازل فرماتا ہے اور آسمان سے ابر کرم خوب برستا ہے۔ وہ ذات جو یتیموں کی مددگار ہے اور ان کی کفالت کرنے والی ہے۔ اور بیواؤں کی محافظ ہے۔ مساکین کو سہارا دینے والی اور ان کو اپنے لطف و کرم میں پناہ دینے والی ہے کہ جس کے وسیلہ سے فقراء آل ہاشم مدد طلب کرتے ہیں۔ اور مصیبتوں میں جس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ اور وہ ہستی جو ان پر اپنی محبت و مودت کے در کھلے رکھتی ہے۔ اور جس کی رحمت و برکت ان پر سایہ فگن رہتی ہے، حضرت ابو طالب فرماتے ہیں:

وَمَا ترْكُ قومٍ، لَا أَبَا لَكَ، سَيِّدًا ... يَحُوطُ الذِّمارَ غَيْرَ ذَرْبٍ مُوَاكِلِ

یاد رکھو! چاہے کچھ بھی ہو جائے ہم لوگ اپنے نبی ﷺ کو کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔ کیونکہ قوم کا اپنے

عالی وقار سید و سردار کو چھوڑ نا نہایت بری بات ہے۔ (اور سید و سردار بھی ایسا نبی مکرم ﷺ) اسے کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟

وأبيضُ يُستسقَى الغمامُ بِوَجْهِهِ ... ثمالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

وہ درخشندہ چہرے والا، جس کے رخ زیبا کا واسطہ دے کر بارش کی دعا کی جاتی ہے، جو یتیموں کی پناہ گاہ اور بیواؤں کا والی اور آسرا ہے۔

يلوذُ بِهِ الهُلاَّكُ مِنْ آلِ هَاشِمٍ ... فهم عندَه في نِعْمَةٍ وفواضِلِ

بنی ہاشم کے ستم رسیدہ افراد اسی کے دامن کرم میں پناہ چاہتے ہیں کیونکہ وہ لوگ آپ ﷺ کے پاس ہر قسم کے انعامات واحسانات سے مالا مال کر دیئے جاتے ہیں۔

ابن عساکر کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مسجد نبوی میں حضرت ابو طالب کا یہ شعر بہت زیادہ پڑھا کرتے تھے۔ "وَأَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ" اور صاحب سیرت حلبیہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے وسیلے سے بارش کی دعا کیا کرتے تھے۔ جلہمہ بن عرفطہ سے روایت ہے کہ ان کا مکہ آنے کا اتفاق ہوا اور قریش قحط میں مبتلا تھے۔ اور ان میں سے کسی نے کہا کہ لات اور عزیٰ سے مدد مانگو اور دوسرے نے کہا منات سے مدد مانگو اور ایک بزرگ نے کہا کہ تم حق سے کیوں کر منہ موڑتے ہو جب کہ تم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی باقیات اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل موجود ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ آپ اس سے ابو طالب کی ذات مراد لے رہے ہیں۔ تو انہوں نے کہا "جی ہاں"۔ پس وہ سب کھڑے ہوئے اور ایک گروہ کیصورت میں حضرت ابو طالب کے گھر پہنچے اور کہا۔ اے ابو طالب! وادی شدید قحط میں مبتلا ہے اور زمین بنجر ہو چکی ہے۔ پس آپ تشریف لائیں اور ہمارے لیے بارش کی دعا کریں۔ حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور آپ کے ساتھ ایک چھوٹا بچہ تھا۔ یوں لگتا تھا کہ وہ سیاہ بادل کی اوٹ سے نمودار ہونے والا آفتاب ہے۔ حضرت ابو طالب نے آپ ﷺ کو اپنے ساتھ لیا اور آپ ﷺ کی پشت کو کعبہ سے لگا دیا اور آپ ﷺ کی ہتھیلیوں کو پکڑ کر دعا کے لیے بلند کیا۔ اس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی موجود نہ تھا۔ پس دیکھتے ہی بادل چاروں اطراف سے اڈتے چلے آئے اور خوب برسے۔ جس سے وادی مکہ زرخیز وشاداب ہو گئی اور ہر طرف سبزہ و ہریالی کی فراوانی ہو گئی۔ (۲۱)

نبی اکرم ﷺ اس پر شاہد ہیں کہ یہ اشعار حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے ہیں۔ چنانچہ روایت کی گئی ہے کہ اہل مدینہ قحط میں مبتلا ہو گئے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قحط سالی کی شکایت کی۔ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور بارش کی دعا کی۔ دعا مانگنے کی دیر تھی کہ بارش اس قدر برسی کہ ایک نہ رکنے والا سیل رواں تھا۔ تو اہل مدینہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں اب یہ شکایت لے کر حاضر ہوئے کہ وہ اس بارش میں غرق ہو رہے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے پھر یہ دعا فرمائی۔

"اللھم حوالینا لا علینا" (اے اللہ ہم پر بارش نہ برسا اردگرد برسا)

پس مدینہ پر سے بادل چھٹ گئے اور اس کے اردگرد ایسے ہالہ بنالیا جیسے مدینہ کو تاج پہنادیا گیا ہو۔اس وقت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اگر ابوطالب آج کے دن موجود ہوتے تو وہ بہت خوش ہوتے"۔اس بات پر صحابہ کرام نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی کہ شاید آپ کا اشارہ حضرت ابوطالب کے اس شعر کی طرف ہے:

وَأَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ   ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

توآپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں ہم یہی شعر سننا چاہتے تھے۔(۲۲)

اور اس قصیدہ کے آخری اشعار میں حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ پھر بعض لوگوں اور قبائل کا ذکر کرتے ہیں جنھوں نے حضور ﷺ سے بغض وعناد کی سر توڑ کوشش کی۔اور عہد و پیمان کا کوئی لحاظ نہیں رکھا۔اور اسی طرح ان اقوام کا اچھے انداز سے ذکر کیا جن کا مقاطعہ اور نافرمانی سے کوئی سروکار نہ تھا۔اور وہ اس سے بری الذمہ تھے۔اور پھر اپنے اشعار میں اپنے بھتیجے سے الفت و محبت کے احساسات وجذبات کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لَعَمْري لَقَدْ أَجْرَى أَسَيد وبَكْرُه ... إِلَى بُغضِنا وَجَزّآنَا لِآكُلِ

میری عمر کی قسم اسید اور بکر نے ہماری عداوت وبغض میں ایسا اقدام کیا ہے کہ گویا کاٹ کر کھانے والوں کے لیے ہمیں لقمہ بنادیا ہے۔

وعثمانُ لَمْ يَرْبع عَلَيْنَا وقُنفُذ ... وَلَكِنْ أطاعَا أمرَ تِلْكَ القبائِلِ

اور عثمان اور قنفذ نے ہمارے خلاف (کوئی نیا) اقدام نہیں کیا ہے بلکہ ان ہی قبائل کے حکم کی اطاعت کی ہے۔

أَطَاعَا أُبَيًّا وابنَ عبدِ يغوثِهم ... وَلَمْ يَرْقُبا فِينَا مَقالةَ قَائِلِ

اور اُبی اور ابن عبد یغوث (جیسے بد سرشت لوگوں) کی بات مان لی اور ہماری کسی بات کا خیال نہیں کیا۔

كَمَا قَدْ لَقِينا مِنْ سُبَيْعٍ ونوْفلٍ ... وَكُلٌّ تولَّى مُعْرِضًا لَمْ يُجَامِلِ

جیسا کہ سبیع اور نوفل (جیسے شیطان صفت لوگوں) سے ہم لوگوں کو اذیت کا سامنا کرنا پڑا۔یہ سب لوگ ہم سے منحرف ہیں۔کوئی بھی حسن سلوک پر آمادہ نہیں ہے۔

فَإِنْ يُلْقيا أَوْ يُمكن اللهُ مِنْهُمَا ... نَكِلْ لَهُمَا صَاعًا بصاعِ المكايلِ

پس اگر ان لوگوں سے ہماری مڈ بھیڑ ہوگئی اور خدا نے موقع دیا تو ان لوگوں سے پورا پورا بدلہ چکائیں گے۔

وَذَاكَ أَبُو عَمْرٍو أَبَى غيرَ بُغْضِنا ... ليظْعَنا فِي أهلِ شاءٍ وجامِلِ

اسی طرح ابو عمرو بھی مسلسل ہمارے ساتھ دشمنی کرتا رہتا ہے اور اس کی پوری کوشش یہی ہے کہ ہم اپنے جانوروں پر بیٹھ کر یہاں سے چلے جائیں۔

يُنَاجِي بِنَا فِي كلِّ مُمْسَى ومُصْبَحٍ ... فناجِ أَبَا عَمْرٍو بِنَا ثُمَّ خاتِلِ

یہ شخص صبح شام سرگوشیاں کرتا ہے اور یہ ابو عمرو ہمارے پاس آتا بھی ہے اور دھوکہ بازی بھی کرتا ہے۔

ويُؤْلِي لَنَا باللهِ مَا إنْ يَغُشنا ... بَلَى قَدْ نَرَاهُ جَهْرَةً غيرَ حائلِ

اور وہ ہمیں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ دھوکہ نہیں دے گا لیکن پھر علی الاعلان مخالفت کرتا ہے اور اسے کوئی شرم نہیں آتی۔

ويخبرُنا فِعْلَ المناصِحِ أَنَّهُ ... شَفِيقٌ ويُخفى عارماتِ الدَّوَاخِلِ

اور وہ ہمیں ہمدردی و ناصح بن کر خبر دیتا ہے اور خود کو شفیق اور مہربان انداز سے پیش کرتا ہے جب کہ اس کے دل میں خباثت چھپی ہوئی ہے۔

جَزَى اللهُ عَنَّا عبدَ شمسٍ ونَوْفَلًا ... عقوبةَ شَرٍّ عَاجِلًا غيرَ آجِلِ

اللہ تعالی ہماری طرف سے عبد شمس اور نوفل کو ان کی بری جزا دے جو بہت جلد ہو اس میں تاخیر نہ ہو۔

ونحنُ الصميمُ مِنْ ذؤابةِ هَاشِمٍ ... وَآلِ قُصَيٍّ فِي الخُطوبِ الْأَوائِلِ

اور ہم لوگ خاندان بنی ہاشم کے اعلی ترین افراد ہیں اور قصی جیسے صاحب کمال کی اولاد ہیں جن کی عظمت زمانہ قدیم سے مسلم ہے۔

وسهمٌ وَمَخْزُومٌ تَمَالَوْا وأَلَّبوا ... عَلَيْنَا العِدَا مِنْ كلِّ طِمْلٍ وخاملِ

اور بنو سہم اور بنو مخزوم جو ہم سے رو گرداں ہیں اور فتنہ پرور اور اوباش لوگوں کو اکٹھا کر کے ہماری عداوت پر آمادہ کرتے رہتے ہیں۔

فعبدُ مَنَافٍ أَنْتُمْ خيرُ قومِكم ... فَلَا تُشركوا فِي أمرِكم كلَّ واغِلِ

اے عبد مناف کے لوگو! تم تو قوم کے بہترین افراد ہو۔ لہٰذا اپنے معاملات میں غلط اور برے لوگوں کو شریک نہ کرو۔

لعَمْري لَقَدْ كُلّفتُ وَجْدًا بِأَحْمَدَ ... وإخوتِه دَأبَ المحِبِّ المواصِلِ

میری جان کی قسم! مجھے محمد ﷺ سے بے پناہ محبت ہے۔ان کی اور ان کے بھائیوں (صحابہ کرام) کی الفت میرے دل میں رچی بسی ہوئی ہے۔

فَمَنْ مِثْلُه فِي النَّاسِ أيُّ مُؤَمَّلٍ ... إِذَا قَاسَهُ الحكامُ عندَ التفاضُلِ

تمام دنیا کے انسانوں میں ان جیسا کون ہے؟ جس سے لوگوں کی امیدیں وابستہ ہوں اور فضل و کمال میں کون ہے جس سے ان کا موازنہ کیا جاسکے؟

حَلِيمٌ رشيدٌ عَادِلٌ غيرُ طائشٍ ... يُوَالِي إِلَاهًا ليسَ عَنْهُ بغافِلِ

حلیم و بردبار، صاحب عقل و دانش، منبع عدل و انصاف، اور یاد الٰہی میں مشغول رہنے والے ہیں اور اس ذات سے غافل ہونے والے نہیں ہیں۔

فَأَيَّدَهُ رَبُّ العبادِ بنَصرِهِ ... وأظهرَ دِينًا حقُّه غيرُ باطِلِ

پس خداوند عالم اپنی نصرت و مدد کے ذریعے ان کی تائید کرنے والا ہے اور انہوں نے ایسا دین پیش کیا ہے جو برحق ہے اور قائم رہنے والا ہے۔

فواللهِ لَوْلَا أن أجيءَ بسُبَّةٍ ... تُجَرُّ عَلَى أشياخِنا فِي المحافِلِ

پس اللہ کی قسم اگر مجھے سب وشتم اور اس بے عزتی کا سامنا نہ ہوتا جو محافل میں ہمارے بزرگوں پر کی جاتی ہے۔

لَكِنَّا اتَّبَعْنَاهُ عَلَى كلِّ حَالَةٍ ... مِنْ الدهرِ جِدًّا غَيْرَ قولِ التهازلِ

لیکن ہم نے بے ہودگی کی بات کے علاوہ زمانے کی ہر حالت میں سنجیدگی کے ساتھ اتباع کی۔

لَقَدْ عَلِمُوا أَنَّ ابنَنا لَا مُكذَّبٌ ... لَدَيْنَا وَلَا يُعْنَى بقوْلِ الْأَبَاطِلِ

تحقیق دنیا والے بھی اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ ہمارا بیٹا (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے ہاں جھٹلایا نہیں جاسکتا اور نہ وہ لغو اور غلط بات کی طرف توجہ دیتا ہے۔

فَأَصْبَحَ فِينَا أَحْمَدُ فِي أرومةٍ ... تُقَصِّرُ عَنْهُ سَوْرَةُ المتطاولِ

احمد ﷺ تو شرف کے اعتبار سے اتنے بلند ہیں کہ کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی ان کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہے۔

اور ہم ان اشعار میں دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوطالب دوبارہ لوٹ کر ان لوگوں اور قبائل کا ذکر کرتے ہیں جن میں دشمنان اسلام کی اسلام کے خلاف بغاوت و عناد کی آگ کا بھڑکنا عروج پر تھا۔ جنہوں نے بغض و حسد میں اپنی کاوشوں کو پروان چڑھایا اور تمام عہد و پیمان کو پس پشت ڈالا۔ اور ان افعال و اعمال کو بروئے کار لائے جو ان کے عہد و پیمان اور نیکی واحسان کے برعکس تھے۔ اور وہ بغض و عداوت میں سرگرداں رہتے جو ان کے تمام امور میں سرایت کیے ہوئے تھی۔

اسی طرح حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے ان اقوام کا بھی ذکر کیا جن میں خیر اور بھلائی کا عنصر موجود تھا۔ اور جو نافرمانی اور قطع تعلّق سے بری الذمہ تھے۔ پھر آپ، حضور ﷺ کے شرف اور عظمت کے بارے گفتگو فرماتے

ہیں۔اور اس میں اپنے بھتیجے کے ساتھ اپنے لطف و احسانات اور مودت و عاطفت کا ذکر کرتے ہیں۔ جیسا کہ اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں:

لعَمْري لَقَدْ كُلفتُ وَجْدًا بِأَحْمَدَ ... وإخوته دَأبَ المحِبِّ المواصلِ

میری جان کی قسم! مجھے احمد ﷺ سے بے پناہ محبت ہے۔ان کی اور ان کے بھائیوں (صحابہ کرام) کی الفت میرے دل میں رچی بسی ہوئی ہے۔

حضرت ابو طالب ایک دفعہ پھر محمد ﷺ کے شمائل وخصائل اور اخلاق وصفات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی حکمت وبردباری، عقل ودانش، عدل وانصاف اور اپنے رب کی بارگاہ میں پرہیزگاری کہ جس سے آپ کا رب آپ ﷺ کو نہ بھلاتا ہے اور نہ نصرت وتائید میں اکیلا چھوڑتا ہے۔اور آپ ﷺ کی ذات وہ ذات ہے جو کریم ہے، بزرگی کے اعلیٰ معیار پر قائم ہے۔وہ کریم بن کریم اور عالی نسب والا ہے۔ اس کے آباء واجداد شرافت وبزرگی کی اصل ہیں اور اس کے ہر کام میں اللہ کی نصرت وتائید بھی شامل ہے جو بار بار جلوہ گر ہوتی ہے۔ پس اگر ان مشرکین مکہ کو عقل ہوتی تو اس کو حرزِ جان بنا لیتے اور چشم ظاہری سے اس کا ادراک کر لیتے اور قلوب واذہان اس کے حق اور سچ ہونے کا یقین کر لیتے۔ جبکہ حق واضح ہو گیا تھا۔

پھر حضرت ابو طالب اپنے قصیدہ میں ایک اور اسلوب بھی ذکر فرماتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ اتباع خدا اتباع مصطفیٰ ﷺ ہے۔اور اگر سب وشتم کا سامنا نہ ہوتا تو ضرور اتباع کرتا اور محمد ﷺ کی ذات وہ ذات ہے جو صادق اور امین ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے معاندین قریش اور اور مبطلین کے شر سے محفوظ رکھا۔اور آپ ﷺ کے شرف وعظمت کو دوبالا کیا۔ حضرت ابو طالب نے اپنے قصیدہ کا اختتام اس شعر پر کیا:

حَدِبْتُ بِنَفْسِي دُونَهُ وَحَمَيْتُهُ ... ودافعت عَنهُ بالذّرى وَالْكَلاَكِلِ

میں ان کی حمایت میں جان کی بازی لگاتا رہوں گا۔اور بڑے بڑے سورماؤں اور سرداروں کا مقابلہ کرتا رہوں گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابو طالب نے اپنے اقوال واعمال سے اپنے بھتیجے کی صدق دل سے نصرت و تائید فرمائی۔اور حضرت ابو طالب دعوت اسلامیہ اور اس عظیم پیغمبر کے دفاع میں اپنی تمام تر طاقتوں کو بروئے کار لائے۔ جس میں آپ کے پایہء استقلال اور صبر واستقامت میں ذرہ بھر بھی لغزش نہ آئی۔

خلاصۂ بحث

پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے پر لطف وعطاء میں نہ تو کوئی کمی چھوڑی اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی نصرت وتائید واتباع کے راستے میں حفاظت کرنے میں کسی طرح کا بخل کیا۔اسی کی بنیاد پر آپ لوگوں کو دعوت حق کی طرف مدعو کرتے ہیں جس میں ذرہ بھر شک نہیں اور بیشک ہم اس قصیدہ میں اس بارے میں بھی مطالعہ کرتے ہیں کہ اس کے اکثر اشعار میں معانی کا ایک سمندر موجزن ہے، جس نے آسمانی رفعتوں کو بھی اپنی بے

پایاں وسعتوں میں لپیٹا ہوا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کی حمایت و دفاع میں جہد صادقہ کا ایک بہت بڑا حصہ ڈالا ہے۔ اور معاندین کفار، صنادید شرک اور بت پرستوں کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو گئے۔ پس جو بھی کتب سیرت، کتب تاریخ اسلامی اور دیگر کتب ادب و لغت میں غوطہ زنی اختیار کرے گا اس کو یارائے ضبط نہیں رہے گا، اور اس پر یہ بات آشکارہ ہو جائے گی۔ کہ قصاید اور اشعار کی صورت میں دعوت اسلامیہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جس کے روح رواں حضرت ابو طالب کی ذات گرامی ہے۔ جن کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سچی محبت اور الفت مشام جان کو معطر و معنبر کر دیتی ہے۔ یہی وہ باکمال ہستی ہیں جنہوں نے دعوت و ارشاد میں کھلم کھلا حضور ﷺ کا ساتھ دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ کو قریش مکہ کی چیرہ دستیوں سے مأمون و محفوظ فرمائے رکھا۔

الغرض ہم نے قصیدہ لامیہ کے جن اشعار کو قرطاس کی زینت بنایا یہ بحر بیکراں میں ایسی غوطہ زنی تھی جس کے سبب ہم نے ایک ایسی مثالی شخصیت کی علمی کاوش پر روشنی ڈالنے کا قصد کیا کہ جس پر تاریخ اسلامی کے صفحات اپنی ضیا پاشیاں کر رہے ہیں۔ رسالتمآب ﷺ کے دفاع میں آپ رضی اللہ عنہ کے قصیدہ لامیہ کو رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ اگرچہ آپ کے مشرف با اسلام ہونے اور اس نعمت عظمیٰ سے فیض یاب ہونے کے بارے سکوت اختیار کرنا ہی بہتر ہے اور اس پر بحث عربی ادب و لغت اور عربی شاعری کے دائرہ کار میں نہ ہے۔ المختصر وہ ہستی جس نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ ذات مصطفیٰ ﷺ پر قربان کیا ہو اور دشمنان اسلام سے ذات مصطفیٰ ﷺ اور رسالت مصطفیٰ ﷺ کا دفاع کیا ہو۔ نیز جس کے ذہن و قلب میں محبت و مودت مصطفیٰ ﷺ اور اس ذات والا صفات کی قدر و منزلت راسخ ہو، وہ ہستی کیونکر نعمت ایمان سے محروم رہ سکتی ہے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) حضرت ابو طالب سے ایک خطبہ ء نکاح منقول ہے جو انہوں نے حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حضرت محمد ﷺ کے ساتھ نکاح کراتے پڑھا اور دوسرا خطبہ ایک گروہ قریش کی موجودگی میں دیا: (الزرقانی، محمد بن عبد الباقی المالکی، شرح مواهب لدنیه ۱/۱۷۹، دار الکتب العلمیۃ، بروت، ۱۹۹۶م۔ ابن ہشام، عبد الملک، السیرة النبویہ ۱/۲۵۶، تحقیق محمد محی الدین عبد الحمید، مصر ۱۹۳۷ء)

(۲) ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، الاصابة في تمييز الصحابة ۷/۱۹۶، تحقیق: عادل احمد عبد الموجود، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۵ء

(۳) حضرت فاطمہ بنت عمرو کے بطن سے حضرت عبد المطلب کے آٹھ بچے پیدا ہوئے۔ چار بیٹے اور چار بیٹیاں۔ بعض نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبد المطلب کے دس بیٹے تھے اور کچھ نے کہا ہے کہ تیرہ بیٹے تھے۔ اسی طرح بعض نے بیان کیا ہے کہ آپ کی پانچ بیٹیاں تھیں لیکن مستند رائے یہی ہے کہ آپ کی کل اولاد سترہ تھی۔ سات بیٹیاں اور دس بیٹے۔ اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حمزہ، عباس اور صفیہ اسلام لائے اور عاتکہ اور اروی میں اختلاف ہے اور باقی سب دین ابراہیمی پر فوت ہوئے۔ (نویری، ابو العباس احمد بن عبد الوہاب، نهاية الأرب في فنون الأدب ۱۸/۲۲۱، دار الکتب مصریہ، قاہرہ، ۱۹۲۳ء)

(۴) حضرت ابو طالب کے چھ بچوں میں طالب، عقیل، جعفر، علی، ام ہانی (جن کا نام فاختہ ہے) اور جمانہ ہیں۔ اور طالب کے سوا تمام صاحب اولاد تھے۔ اور ان سب کی والدہ فاطمہ بنت اسد ہیں جو حضرت ابو طالب کے چچا کی بیٹی تھیں۔ حضرت ابو طالب نے ان کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کی۔ اور ابو طالب رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد مدینہ منورہ ہجرت کی۔ رسول اللہ ﷺ انہیں ماں کہہ کر

پکارتے تھے۔ چار ہجری میں ان کی وفات ہوئی تو خود ان کا جنازہ پڑھا، ان کی قبر میں اترے اور ان کے لیے دعا مغفرت کی۔

(۵) ابن کثیر، عماد الدین اسماعیل، البداية والنهاية ۳/۳۸۹، بیروت، لبنان، ۱۹۶۶ء۔ ابن اثیر، عزالدین علی بن محمد، الكامل في التاريخ ۲/۲۲، مصر ۱۳۴۷ھ۔

(۶) ابن اثیر، عزالدین علی بن محمد، الكامل في التاريخ ۲/۲۳۔

(۷) حضرت جعفر، حضرت علی سے دس سال بڑے تھے۔ اور پچیس سال بعد اسلام لائے۔ اور ایک روایت میں اکتیس سال بیان کیے گئے ہیں۔ آپ غزوہ موتہ میں شہید ہوئے اور نبی کریم ﷺ نے ذوالجناحین کا لقب عطا فرمایا۔ (طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاريخ الامم والملوك ۲/۳۱۳، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم، دار المعارف، مصر ۱۹۶۶ء۔ حلبی، علی بن ابراہیم، انسان العيون في سيرة الأمين المامون (سیرۃ حلبیۃ) ۱/۲۶۳۔ ابن ابی الحدید، شرح نهج البلاغه ۱۳/۱۹۸ تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید، مصر ۱۹۵۹ء)۔

(۸) ابن ہشام، عبدالملک السيرة النبويه ۱/۲۵۶، تحقیق محمد محی الدین عبالحمید، مصر، ۱۹۳۷ء۔

(۹) ابن کثیر، عماد الدین اسماعیل، البداية والنهاية ۳/۴۳، بیروت، لبنان، ۱۹۶۶ء۔

(۱۰) سہیلی، عبدالرحمٰن بن عبداللہ، الروض الانف ۳/۱۵، مصر ۱۹۱۴ء۔ ابن کثیر، عماد الدین اسماعیل، البداية والنهاية ۳/۱۲۳، بیروت، لبنان، ۱۹۶۶ء۔ نهاية الارب في فنون الادب ۱۶/۲۷۷، دار الکتب مصریہ، قاہرہ، ۱۹۲۳ء۔

(۱۱) سہیلی، الروض الأنف ۴/۲۷۔ ابن کثیر، البداية والنهاية ۱/۱۳۴۔ حلبی، انسان العيون في سيرة الامين المامون (السیرۃ حلبیۃ) ۱/۲۳۴۔ ابن اثیر، الكامل في التاريخ ۲/۴۳۔ ابن ابی الحدید، شرح نهج البلاغة ۱۴/۶۵۔

(۱۲) ابن کثیر، البداية والنهاية ۳/۱۲۴۔

(۱۳) مرجع سابق ۳/۱۲۶۔

(۱۴) حلبی، انسان العيون في سيرة الامين المامون (السیرۃ حلبیۃ) ۱/۲۳۰۔ ابن اثیر، الكامل في تاريخ ۲/۶۳۔ ابن قتیبہ، ابو محمد عبداللہ بن مسلم الدینوری، المعارف (ص ۷۴) تحقیق ثروت عکاشہ، الہیۃ مصریہ العامہ، قاہرہ۔

(۱۵) نویری، نهاية الارب ۱۶/۲۷۷۔

(۱۶) حلبی، انسان العيون في سيرة الامين المامون (سیرۃ حلبیۃ) ۱/۲۳۶۔ سہیلی، الروض الأنف ۴/۱۴۔

(۱۷) ابن کثیر، البداية والنهاية ۳/۵۷۔

(۱۸) ابن ابی الحدید، شرح نهج البلاغة ۱۴/۷۸۔

(۱۹) جمحی، محمد بن سلام، طبقات فحول الشعراء، ص ۲۴۴، تحقیق محمود محمد شاکر، دار المدنی، جدہ ۱۴۲۲ھ

(۲۰) سہیلی، الروض الأنف ۳/۶۳-۶۹، ابن کثیر، البداية والنهاية ۳/۵۳-۵۷۔ حلبی، انسان العيون في سيرة الامين المامون (سیرۃ حلبیۃ) ۱/۱۱۲۔ ابن ہشام، السيرة النبوية ۱/۲۹۸۔

(۲۱) حلبی، انسان العيون في سيرة الامين المامون (سیرۃ حلبیہ) ۱/۱۱۲-۱۱۱۔

ابن ہشام، السيرة النبوية ۱/۳۰۰